اُردو زبان اور آزادی کے تقاضے

ڈاکٹر محمد خاں اشرف

Dr. Muhamad Khan Ashraf

Associate Professor, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The history of Urdu Language in Pakistan is closeley connected with the history of the nation. It involves many compulsions and controvercies. But these issues have always been kept hidden from the masses. So far so that it is embedded in the constitution of Pakistan that the National Language will be Urdu. The Supreme Court of Pakistan in a decision as ordered that Urdu be adopted as the National Language. But still the Urdu Languashex in wilderness. In this article Dr. Muhammad Khan Ashraf has tried to draw attention to this issue.

عنوان اگرچہ قومی جذبے کی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار کا موقع دینے کے لیے متعین کیا گیا ہے لیکن اس کے کچھ منطقی تقاضے ایسے بھی ہیں جو مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں اس کو وسیع تر تناظر میں دیکھوں اور کچھ ایسے حقائق اور تصورات و مقتضیات کو ضبطِ تحریر میں لاؤں جو اگرچہ بالکل سامنے اور ظاہر ہیں لیکن سکالر، علما اور ہمارے رہنما اپنے اپنے گروہی اور مخصوص تعصّبات کے پیشِ نظر ان کو بحث و مباحث کا موضوع بنانے سے گریزاں رہے ہیں۔ ایک آزاد ملک اور قوم میں تلخ اور غیر مقبول حقائق کو زیرِ بحث لانے سے کیوں گریزاں کیا جائے! جب تک ان پر غور و فکر نہیں کیا جائے گا ہم ایک قوم اور ملک کی حیثیت سے زبان کے مسئلے پر اسی طرح کے تضادات و توہمات کا شکار رہیں گے جیسے کہ اب ہیں۔ غیر حقیقی توقعات اور جذباتی خواہشات کو پالنا، حقیقی، واقعی اور ٹھوس قومی مسائل کو حل کرنے کا درست طریقہ نہیں ہے۔ لہٰذا میں اس تحریر میں کچھ منطقی حقائق آپ کے سامنے لاؤں گا اور آپ اس پر غور و فکر کے بعد اپنا نقطۂ نظر واضح کر سکتے ہیں۔

پوری قوم اس پر متفق ہے کہ ''اردو'' پاکستان کی قومی زبان ہے۔ پاکستان کے قیام سے پہلے

بھی اس پر اتفاق تھا اور اب بھی ہے۔ بانیِ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی واضح طور پر فرمایا تھا کہ ''اردو'' پاکستان کی قومی زبان ہے۔(۱) یہ حقیقت ان کے فرمان اور تقاریر میں موجود ہے اور آج تک نہ کسی نے اس سے انکار کیا ہے اور نہ ہی اختلاف، لہٰذا یہ ایک مسلمہ امر کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ آئینِ پاکستان بھی واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ ''اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔''(۲) یہ حقیقت آئین میں درج ہے اور آئین نے یہ بھی پابندی لگائی تھی کہ پندرہ سال میں اردو کو ملک کی تعلیمی اور سرکاری زبان کے طور پر رائج کر دیا جائے گا۔ یہ شق واضح اور دوٹوک تھی اور حکومت کے اکثر محکموں اور تعلیمی اداروں نے اس کے نفاذ کے بندوبست بھی کر لیے تھے لیکن پھر اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا اور آج تک نہیں ہوا۔ آئین کسی ملک و قوم کی مقدس ترین دستاویز ہوتی ہے اور اس آئینی پابندی کے باوجود اردو کو اس کا متعین شدہ درجہ نہیں مل سکا۔

اسی سلسلے کی ایک تیسری حقیقت اور بھی ہے۔ پاکستان کی سپریم کورٹ اپنے ایک فیصلے میں یہ واضح طور پر کہہ چکی ہے کہ اردو کو بطور قومی زبان ملک کے دفاتر، کاروبارِ مملکت اور تعلیمی اداروں میں رائج کیا جائے۔ سپریم کورٹ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت ہے اور ہر کہ و مہ تمام اداروں اور شعبوں کو اس کے احکام پر عمل کرنا لازمی ہے۔

بابائے قوم کے فرمان، آئینی پابندی اور اعلیٰ ترین عدالت کے احکامات، پاکستان کی ہیئت مقتدرہ کے یہ تین بلند ترین درجات ہیں۔ تمام قوم ان کا احترام کرتی ہے اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتی ہے لیکن پھر بھی ابھی تک ہر سطح پر اردو زبان کی ترویج اور اس کی تعلیم ایک خوابِ پریشان ہے۔ گو پاکستان کی اسمبلیوں میں کئی تحریکاتِ استحقاق اور ریزولیوشن لائے گئے لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ آخر اس کی کیا وجوہات اور اسباب ہیں! آیئے اب ترازو کے دوسرے پلڑے کے حقائق بھی دیکھیں۔ یہ حقائق بھی بہت واضح اور حقیقی ہیں اور ان کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے:

اردو کے اکثر معترض یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اردو کو ملک میں ہر سطح پر رائج کرنے سے علاقائی زبانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور عوامی سطح پر منفی ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کی مثال دیتے ہیں کہ اس کی علیحدگی کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بنگالی زبان اور تہذیب و ثقافت کو نظر انداز کر کے ان پر اردو زبان مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس نے بنگالی قوم پرستی کے جذبات کو ہوا دی۔ ان کا خیال ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی تمام صوبوں میں مقامی زبانوں کو ان کا حق دیا جانا چاہیے اور رابطے کے لیے اردو زبان کو استعمال کیا جائے۔ یہ نظریہ جس تضاد اور دوعملی کی نشان دہی کرتا ہے اس کا نہ درست ادراک کیا گیا ہے نہ ہی اس کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اردو پاکستان کے کسی علاقے یا خطے یعنی صوبے کی مادری زبان نہیں

ہے۔ یہی نہیں بلکہ اردو اس وقت دنیا میں کہیں بھی کسی بھی علاقے، خطے، صوبے یا ریاست کی مادری زبان نہیں ہے جہاں بھی اردو رائج ہے اس کو دوسری یا قانونی زبان کا مرتبہ ہی حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اپنی پیدائش کے علاقے میں بھی جہاں کی زبان کو اردو کا معیاری روزمرہ اور محاورہ کہا جاتا تھا یعنی یوپی، دہلی اور لکھنو! وہاں بھی اردو کو مادری زبان کا استحقاق نہیں ملا۔ ایک ایسی زبان جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی پانچویں یا چھٹی بڑی زبان ہے، یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جس کا درست طور پر تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

اگر ہم ان حقائق کے اسباب و عواقب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اردو ہندوستان میں شمال سے آنے والے مسلمان فاتحین لشکریوں اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں ہم اردو کی پیدائش کے نظریات سے قطع نظر کریں گے اور صرف اتنا کہیں گے کہ اس کی ترویج میں پنجابی، کھڑی بولی اور اس خطے کی دیگر زبانوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا ہے لیکن بنیادی طور پر یہ شمال مغرب سے آنے والے فاتحین، جن کی اپنی زبانیں فارسی، عربی یا ترکی تھیں اور مقامی آریائی بھاشاؤں میں ملاپ سے وجود میں آئی، اس کا بنیادی ڈھانچہ مقامی کھڑی بولی پر رہا اور اس میں فارسی، عربی اور ترکی کے الفاظ شامل ہوتے گئے۔ لہٰذا یہ ایک رابطے اور میل ملاپ کی زبان تھی۔ مسلمان فاتحین نے ہندوستان میں ہمیشہ ہی فارسی زبان کو اپنی سرکاری کاروباری زبان کا درجہ دیا تھا۔ تمام کاروبارِ سلطنت فارسی میں تھا لیکن بول چال اور مقامی لوگوں سے رابطے کے لیے آہستہ آہستہ اردو نے رواج پالیا یعنی اردو اعلیٰ طبقے کے امرا اور حکمران طبقے کے لیے ایسی زبان تھی جسے وہ مقامی افراد سے روزمرہ بول چال اور کاروبار کے لیے استعمال کرتے تھے۔ مسلمان فاتحین اس ملک کا حاکم اور اعلیٰ طبقہ تھا۔ تمام اثر ورسوخ، اختیار اور اقتدار اس کے ہاتھ میں تھا۔ مقامی لوگوں سے ان کے میل ملاپ نے اردو کو جنم دیا تھا۔ مقامی لوگوں نے کاروباری اور سرکاری افراد سے رابطے کے لیے اس زبان کو اپنایا جو آہستہ آہستہ ارتقا پذیر ہوئی یعنی یہ زبان طبقہ اعلیٰ کے افراد اور مقامی لوگوں کے ربط و ضبط سے پیدا ہوئی اور اس کا ایک غیر سرکاری ذریعہ تھی۔ اپنے گھروں میں مقامی لوگوں نے اپنی ہی بھاشاؤں کو استعمال کیا۔ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ مقامِ فکر ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کے طویل دورِ حکومت میں فارسی زبان ہی کاروبارِ مملکت کی زبان رہی اور اردو رابطے اور بول چال کی زبان لیکن یہ عوام کی زبان کبھی نہ بنی۔ یہ کبھی بھی کاروبارِ مملکت اور سرکاری زبان نہ تھی لہٰذا جب انگریزوں نے فارسی کو منسوخ کیا اور اس کی جگہ انگریزی رائج کی تو سرکاری زبان فارسی کے بجائے انگریزی قرار پائی۔ انگریزوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا، کچھ صوبوں میں اردو ذریعۂ تعلیم بھی قرار پائی لیکن مقامی زبانوں کی قیمت پر۔ لیکن مسلمان عوام کے لیے جو پرانا حکمران طبقہ تھا یہ ایک مقبول اور پسندیدہ زبان قرار پائی۔

لہٰذا اگر ہم غور سے دیکھیں تو اردو ہمیشہ ہی دوسرے درجے کی زبان رہی ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھیں تو غالب کے زمانے تک فارسی ہی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، غالب بھی اپنی اصل اور

اعلیٰ شاعری اپنے فارسی کلام ہی کو قرار دیتے رہے ہیں اور غالب کا عہد کلاسیکل اردو کا آخری دور ہے۔ اس کے بعد جدید عہد شروع ہوجاتا ہے جب انگریزی سرکاری زبان قرار پائی اور اردو بدستور مسلمانوں کی دوسرے درجہ کی زبان ہی برقرار رہی۔

انگریزی عہد ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کا عہد تھا۔ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقے کا اقتدار ختم ہوا اور زیردست مقامی لوگوں کو پہلی دفعہ موقعہ ملا کہ وہ اقتدار اور اختیار کے لیے جدوجہد کریں جس کا واحد ذریعہ ان کے نزدیک جدید تعلیم کا حصول اور سرکاری ملازمتوں کا حصول تھا۔ اسی دور میں ہندوستان میں قوم پرستی کی تحریک چلی، سرسید نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو بھی جدید تعلیم سے آشنا کریں۔ ملک میں سیاسی جدوجہد اور حکومتِ خوداختیاری تحریکیں بھی شروع ہوئیں۔

اس دور میں مسلمانوں نے اپنے بچاؤ اور سیاسی و اقتصادی مقصود کے لیے ایک علیحدہ قوم کے شعور کا ادراک کیا جس کے لیے ہندوستان کے طول و عرض میں واحد زبان اردو تھی۔ لہٰذا یہ مسلم قوم پرستی کے اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بنی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کر کے ایک علیحدہ ملک کے حصول کی جدوجہد کرنے اور اس کے متعلق قومی جذباتی اور سیاسی و ادبی ادراک و شعور کے ابلاغ کا ذریعہ بننے کے لیے مناسب ترین زبان تھی لیکن یہ بھی خیال رہے کہ تحریکِ پاکستان کے اکثر رہنما جن میں قائداعظم بھی شامل ہیں اردو سے پوری طرح آشنا نہیں تھے۔ ان کا ذریعۂ اظہار و ابلاغ انگریزی ہی تھا لیکن عوامی سطح پر اردو ہی ایسی زبان تھی جو ہندوستان کے طول و عرض میں سرحد اور کشمیر سے لے کر بنگال اور آسام تک کے مسلمانوں کو ایک واحد اور جداگانہ قوم کا تاثر دینے اور اس کے متعلق خیالات اور تصورات کو فروغ دینے کے قابل تھی۔ یہ سیاسی اور قومی مقصد تھا جس کے لیے سب مسلمان متحد تھے۔ پنجاب، یو۔ پی۔ اور بہار کے صوبہ جات کی مرکزی حیثیت نے جہاں اردو رائج، مقبول اور ذریعۂ تعلیم تھی، اس تاثر کو فروغ دیا کہ اردو ہی پاکستان کی قومی زبان بن سکتی ہے جو اس کی مختلف اکائیوں کو متحد کر سکتی ہے۔

اس تاثر نے چند حقائق کو نظرانداز کیا۔ پہلا یہ کہ اردو کی ہمہ گیری ایک سیاسی آلہ تھا۔ یہ احساس نہیں کیا گیا کہ گو سیاسی حالات نے اس کو مرکزی حیثیت دلا دی ہے لیکن علاقائی طور پر اردو اتنی جامع اور ہمہ گیر نہیں ہے کہ دور دراز علاقوں کی مقامی ضروریات کے لیے استعمال ہو سکے۔ مشرقی پاکستان کی مثال سامنے ہے۔ دوسرے یہ کہ اردو ابھی تک بین الاقوامی سطح پر درجہ دوم کی زبان تھی، گو اس میں اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق ہو چکا تھا لیکن سیاسی، معاشی اور بین الاقوامی سطح کے معاملات میں اس کا دامن تہی تھا اور وہ بسیط طبقہ جس کو نئے ملک کے حالات چلانے تھے وہ اس میں درست مہارت نہیں رکھتا تھا۔ بینکنگ، فنانس اور حکومت کے دیگر معاملات میں ابھی اردو کو ترویج حاصل کرنا تھی۔

تیسرے یہ کہ اردو اپنی ساخت اور تخلیق میں ایک اعلیٰ، طاقت ور، حاوی، جارح اور ہمہ گیر کلچر کی نمائندہ اور اس کا اظہار تھا یعنی ہندوستان میں اعلیٰ، حکمران طبقہ۔ اردو کا یہ فراخ اس کی ساخت کا

حصہ ہے اور جہاں بھی رائج ہو مقامی زبان، کلچر اور تہذیب کی نفی بن جاتی ہے۔ ملک کا حصول اور حکمرانی اپنی جگہ، ذریعۂ تعلیم و ابلاغ اپنی جگہ لیکن ہر خطے کو اپنی تہذیب، کلچر اور اپنی مادری زبان سے جو تعلق ہوتا ہے اردو کے حامی لوگوں نے اپنے جارح، حاوی اور خود راستی کے جوش میں اس کو نظر انداز کیا۔ ہندوستان کے عوام ہزاروں سال سے غیر ملکی حکمرانی، غیر ملکی سرکاری زبانوں اور غیر ملکی کلچر کا شکار رہے تھے اور اس عرصہ میں انھوں نے مقامی کلچر، اپنی جداگانہ تہذیب اور اپنی مقامی مادری زبان کی حفاظت اور اس کو قائم رکھنے کا ایک ایسا طریقہ وضع کر لیا تھا جس کے پیشِ نظر اپنی سطح پر انھوں نے ہمیشہ ان کو محفوظ رکھا۔ یہ طریقہ تھا Passive Resistance کا لہٰذا ہزار سالہ فارسی اور دوسو سالہ انگریزی کے رواج کے باوجود انھوں نے اپنی اپنی تہذیب، کلچر اور اپنی مادری زبان کو زندہ رکھا ہے۔ اس صورت میں اردو کے بانیوں کا یہ خیال کہ وہ اردو کو مقامی زبانوں کا متبادل بنا دیں گے، بنیادی طور پر درست نہیں ہے۔ پاکستان کے مختلف صوبوں، حصوں اور علاقوں کے عوام کو اپنی تہذیب اور مادری زبان سے جو وابستگی ہے وہ بہت گہری ہے۔ ملک میں مقامی تحریکوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے لہٰذا اردو کو اس کا قومی مقام دینے کے لیے لازمی ہے کہ مقامی سطح پر مقامی زبانوں، مادری زبانوں کو بھی ان کا مقام دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے قومی حیثیت مقتدرہ پر کچھ ضروری بنیادی فیصلے ضروری ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے اردو اپنا قومی مقام حاصل کر سکے گی۔ اردو کو مقامی زبانوں کو حریف کے بجائے حلیف سمجھنا چاہیے اور ان کو اپنے دامن میں جگہ دینی چاہیے۔ یہ اختلاف نہیں وحدت کا راستہ ہے۔

دوسری حقیقت جس کا ادراک اردو کے بہی خواہوں کو ضروری ہے کہ اردو ہمیشہ (جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے) دوسرے درجہ کی زبان رہی ہے۔ یہ شک نہیں کہ اردو میں نہایت اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق کیا گیا ہے جو دنیا کے کسی بھی ادب کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے لیکن تخلیقِ ادب ایک موضوعی عمل ہے۔ کاروبارِ حکومت اور تعلیم و تعلم معروضی حقیقت ہیں۔ اردو والے یہ بھی جانتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخری عشرے تک اردو اس قابل نہیں تھی کہ اسے ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ گو اس میں عشق و محبت کے اسرار و رموز کے دیوان موجود تھے لیکن بچے بچیوں کو ابتدائی درجات میں پڑھانے کے لیے کوئی ادب یا تحریریں موجود نہیں تھیں ماسوائے چند مذہبی رسالوں کے۔ لہٰذا انگریزوں کو ایسی تحریریں خود لکھوانا پڑیں۔ دوسرے یہ کہ ۱۸۵۷ء تک اردو کے تمام اصناف، اسالیب پیرایہ ہائے اظہار فارسی سے ماخوذ تھے اور اس کلاسیکی عہد کے خاتمے سے اب تک جو کچھ بھی اردو میں لکھا گیا ہے وہ نادر فارسی ادب سے ماخوذ، مستعار یا استفادہ شدہ ہے۔ آج بھی اردو کے جغادری نقادوں اور ادیبوں کے تخلیقی تحریک کے سوتے فارسی و انگریزی یا غیر ملکی ادب میں ہیں۔ اردو قاری چند تحریروں سے جدید تحریکات و تصورات کا ادراک کرتا ہے وہ اصل میں انگریزی کے اخذ و ترجمہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ خواہ لکھنے والے ان کا اعتراف کریں یا نہ کریں اردو میں بہت کم تحریریں ایسی ہیں جن کو خالص اردو کی تحریریں قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہی حال دیگر مضامین و موضوعات کا ہے۔ بذاتِ خود یہ کوئی انہونی شے نہیں لیکن مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ اردو والوں کے ہاں انگریزی سے مخاصمت و مخالفت کی ایک شدید لہر ہے جو انگریزی کے آغاز سے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انگریزی اس قوم کی زبان تھی جس نے ان سے حکومت چھینی تھی لہٰذا ان کی حکومت کے ساتھ ان کی زبان کی مخالفت قدرتی امر تھا۔ انگریزی پڑھنے کو کفر قرار دیا گیا۔ وہ تو اچھا ہوا سرسید اور اس عہد کی بیدار مغز قیادت نے ہوا کے رخ کو پہچانا اور بتایا کہ انگریزی دراصل ان تمام جدید علوم و فنون کی زبان ہے جس نے انگریزوں کی قوم کو اتنی طاقت دی کہ وہ یہاں حکومت کر سکیں۔ ان علوم و فنون کو جانے بغیر اور ان پر مہارت حاصل کیے بغیر ان سے چھٹکارا ممکن نہیں لہٰذا جن لیڈر رہ نماؤں نے انگریزوں سے آزادی دلوائی وہ دراصل انگریزی زبان کے اعلیٰ ترین ماہر تھے۔

اس وقت حقیقت یہ ہے کہ انگریزی کی اہمیت اس لیے نہیں کہ یہ انگریزوں کی زبان ہے۔ جدید انگریزی، اب انگریزوں کی زبان نہیں رہی، اس کی اہمیت یہ ہے کہ دنیا نے پچھلے پچاس سال میں ہزاروں قرن کا فاصلہ علمی، تکنیکی اور ہنرمندی کے لحاظ سے طے کر لیا ہے۔ اب دنیا گلوبیت کے دور میں داخل ہو رہی ہے اور انگریزی کی اہمیت یہ ہے کہ یہ علم، تکنیکی مہارت اور جدت و ہنرمندی کی زبان ہے جو گلوبیت کے عالم گیر مظہر اور رجحان کی زبان ہے۔ اگر اردو والوں نے دنیا کے ہمراہ سفر کرنا ہے اور ترقی پذیر اقوام کے ہم پلہ بننا ہے اور گلوبیت کے عالم میں کوئی اعلیٰ مقام بنانا ہے، اگر غربت، افلاس، بیماری، قدامت پرستی، جہالت سے چھٹکارا پانا ہے تو اس کا راستہ انگریزی کی مہارت اور اعلیٰ ترین مہارت کے ذریعہ ہے۔ انگریز خود جدید دنیا میں اسی دوڑ میں شریک ہیں۔ کمپیوٹر، آئی۔ ٹی۔ ابلاغِ عامہ، تجارت، تخلیق، ہنر کے تمام راستے انگریزی سے جاتے ہیں اور اردو کی بہتری اور ہمہ گیری کا راستہ بھی انگریزی سے جاتا ہے۔ اگر اردو والے انگریزی سے چھٹکارا پا کر اعلیٰ مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگریزی پر اعلیٰ ترین عبور حاصل کریں اور اس طرح اس کو زیر کریں اور تخلیقی سطح پر اردو کو ان علوم کا ذریعہ بنائیں تاکہ وہ آگے بڑھ سکیں، محض ترجمہ اور اخذ سے یہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ انگریزی کو مغلوب کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس پر پوری طرح حاوی ہو کر قابو پایا جائے۔ اردو والوں کے لیے یہی ایک چیلنج ہے ورنہ وہ ناکام رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ قائدِ اعظم کی تقریر پلٹن میدان ڈھاکہ

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء

۳۔ فیصلہ سپریم کورٹ آف پاکستان

۴۔ تحریکِ استحقاق